قومی ایوارڈ یافتہ مقالہ

جناب ابرار خٹک *

(قسط : ۲)

''مفاہمتی عمل کے لئے پائیدار حکمتِ عملی کی تشکیل تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں''

مفاہمت بین رسول اللہ ﷺ وسابقون الاوّلون:

اسلام کی دعوت کا آغاز محض ایک نئی بات کی ابتداء نہ تھی بلکہ دراصل اسلامی نظامِ حیات ومعاشرت کے لباس میں سابقہ جملہ نظام ہائے دنیاوی کی نئی تشکیل تجدید و ارتقا تھا ''(۷۵) بقول ڈاکٹر حمید اللہ (state with in state)(۷۶) کی ابتداء تھی''' اور لفظ ''مفاہمت'' اپنی اصل قدروں سے آشنا ہو رہا تھا۔ آپ کا کردار پہلے سے ان لوگوں پر واضح تھا۔ سچائی، امانت دیانت کے ساتھ ساتھ طرزِ کلام سینوں میں پیوست ہو رہا تھا۔ حضرت علیؓ نے آپ ﷺ اور حضرت خدیجہؓ کو نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا یہ کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا دین ہے، یہی دین لے کر پیغمبر دنیا میں آئے، میں تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں کہ اسی کی عبادت کرو اور لات وعزیٰ کا انکار کرو۔ حضرت علیؓ نے کہا یہ بالکل نئی شے ہے جو اس سے پہلے نہیں سنی تھی۔ جب تک میں اپنے باپ، ابوطالب سے اس کا ذکر نہ کرلوں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتا، آپ ﷺ پر یہ بات شاق گزری، کہیں آپ ﷺ کا راز کسی پر فاش نہ ہو اس لیے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اے علیؓ! اگر تم اسلام نہیں قبول کرتے تو اس کا کسی سے ذکر مت کرو۔''(۷۷)

غرض آپ ﷺ کا مقصد کرۂ ارض پر اللہ کی وحدانیت تھا اور آپ نے اسلام کی تبلیغ کے ذریعے اسی نکتے پر مفاہمت کی خاطر انسانوں کو بلایا:

''اسلام نے انسانی سوسوئٹی کی تشکیل کے لیے قدمِ اوّل پر سچی مصلحتوں کا لحاظ مناسب سمجھا، انسانوں کی بہتری اور جنگ سے بچنے کے لیے محتاط حکمتِ عملی ہر عمل کا اوّلین عنصر ہے۔ آپ ﷺ نے تیرہ سال مکہ میں بسر کیے اور دس سال مدینہ میں، مگر مکہ کی سرگرمیوں کے پہلے تین سال ایک ایسا راز تھے جس سے صرف قابلِ اعتماد اصحاب واقف تھے۔ آپ کی اجتماعی سرگرمیاں گھر کی انجمن سے شروع ہوئی تھیں۔ گھر کے بعد شہر، شہر کے بعد عرب، عرب کے بعد

---

* ریسرچ اسکالر، استاد شعبہ اردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، نوشہرہ، خیبر پختونخواہ

ساری دنیا کو ایک خدا کے نام پر جمع کر کے انسانی وفاق قائم کرنا آپ کے ارادوں کا جز و تھا' مگر جب اول اول حضرت علیؓ اسلام سے روشناس ہوئے تو ان کو منع کر دیا گیا تھا کہ یہ راز ہے اور راز رہے گا۔'' (۷۸)

مفاہمتِ عقبیٰ اولیٰ:

نبوت کے دسویں برس حج کے دنوں میں خزرج کا ایک قافلہ مکہ آیا' آپ ﷺ تبلیغ کی نیت سے ان کے پاس گئے اور اسلام کی دعوت دی' ان کی تعداد چھ تھی'۔ اس وقت ان قبائل کی حالت یہ تھی کہ:

ان کی آپس میں اور یہودیوں کے ساتھ اکثر لڑائیاں ہوتی تھیں۔ یثرب کے یہودیوں اور عرب قبائل میں اقتدار کی کشمکش تھی۔ یہودی تجارت پیشہ تھے' اوس وخزرج بھاری سود کے عوض ان سے قرض لیتے تھے' اور یہود امارت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اوس وخزرج آپس میں تنازعات میں گرے رہتے' یہود ان کو مزید بھڑکاتے' اور یثرب پر اقتدار کے خواہش مند تھے۔ یہودی اہلِ کتاب تھے' لہٰذا وہ مذہبی برتری کا اظہار کرتے۔

انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ:

ہماری قوم کا اتحاد باہمی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے پارہ پارہ ہو چکا ہے۔ شاید آپ ﷺ کی بدولت اس میں اتحاد پیدا ہو۔''

یہ لوگ مشرف بہ اسلام ہو کر واپس گئے' تو اسلام کے سچے رفیق ثابت ہوئے اور گھر گھر تک اسلام کا ذکر اور پیغام پہنچا دیا۔ اگلے سال حج کے لیے آنے والے اہلِ یثرب کی تعداد ۱۲ تھی' آپ ﷺ نے درج ذیل امور پر بیعت لی:

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔۔ ہم چوری نہیں کریں گے۔۔ ہم زنا کے مرتکب نہیں ہوں گے۔۔ اولاد کے قتل سے اجتناب کریں گے۔۔ ہم باہم بہتان طرازی سے پرہیز کریں گے۔۔ ہم آپ ﷺ کی معروف و نیک امر میں نافرمانی نہیں کریں گے۔۔ بیعت کے بعد آپ ﷺ نے ان کی ذمہ داری اللہ کو سونپ دی۔

بیعتِ عقبیٰ اولیٰ میں مسلمانوں کے لیے ایک سیاسی مرکز کی تلاش کی کوشش بھی کارفرما تھی' اس میں کوئی کلام نہیں کہ مسلمانوں نے حبشہ کی طرف دو دفعہ ہجرت کی۔ وہاں کے فرمانروا نجاشی نے ان کی آؤ بھگت بھی کی تھی لیکن حبشہ کے محلِ وقوع کی نسبت یثرب کا محلِ وقوع مسلمانوں کے حق میں تھا۔ یثرب میں ان کے بھائی ان کی اعانت بھی کر سکتے تھے جبکہ جزیرہ نما عرب سے حبشہ جا کر مدد کرنا اس وقت کے حالات کے پیشِ نظر ممکن نہ تھا۔'' (۷۹)

مفاہمتِ عقبیٰ ثانی:

اگلے برس یعنی ۱۲ نبوی ﷺ یثرب کا ایک قافلہ حج کی نیت سے آیا' اس قافلہ میں غیر مسلم بھی شریک تھے۔ اہلِ قافلہ کی تعداد ۷۰ تھی۔ آپ ﷺ نے ۱۲ ذی الحج کو ایامِ تشریق میں ''شب کی خاموشی میں ان سے ملاقات کا وعدہ کیا اور ساتھ ہی یہ تاکید کی سونے والے کو بیدار کیا جائے اور نہ ہی غیر حاضر کا انتظار کیا جائے۔''

ان افراد کی تعداد پچھتر تھی جن سے آپ ﷺ نے بیعت لی' ان میں دو عورتیں بھی شامل تھیں۔اس مفاہمت میں آپ ﷺ نے ان سے عہد لیا اور انہوں نے آپ ﷺ سے۔

حضرت عباسؓ نے اہلِ خزرج سے کہا کہ"رسول اللہ ﷺ یہاں محفوظ ہیں مگر تمہارے سوا کسی اور کے ساتھ رہنے سے انکاری ہیں۔ہاں تم لوگ سوچ لو اگر عرب کی مخالفت مول کر تم ان کی حفاظت کر سکتے ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔اور اگر آپ ﷺ کو لے جا کر دشمن کے حوالے کرنے کا خیال ہو تو ابھی ان کی مدد سے دستبردار ہو جاؤ!اس کے جواب میں براء بن معرور نے کہا"یا رسول اللہ! آپ ﷺ جس قسم کا اقرار ہم سے لینا چاہیں' ہم حاضر ہیں۔(۸۰)
آپ ﷺ نے اس کے جواب میں قرآن مجید کی تلاوت کی' ان کو اسلام کی دعوت دی اور آخر میں فرمایا: تم میری معاونت اپنی بیوی بچوں کی طرح کرو گے؟ اس کے جواب میں براء بن معرور نے آپ ﷺ کا دستِ مبارک پکڑا اور کہا: ہمیں اس کی قسم جس نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے' ہمیں یہ شرائط منظور ہیں' جنگ تو ہماری میراث ہے۔"(۸۱)

اس پر ابوالہیثم نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ ہمارے اور یہودیوں کے خاص تعلقات ہیں' ہم ان کو منقطع کر لیں گے مگر ایسا نہ ہو کہ جب آپ ﷺ قوت حاصل کر لیں تو آپ ﷺ ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف لوٹ آئیں؟ یہ سن کر آپ ﷺ نے زیرِ لب تبسم فرمایا اور کہا: جہاں تمہارا خون گرے گا' میرا لہو بہے گا۔میں تم میں سے ہوں اور تم میرے ہم قوم ہو' جس سے تمہاری جنگ ہوگی میں بھی اس سے برسرِ پیکار رہوں گا' جس سے تمہاری صلح ہوگی میں بھی اس کا حلیف رہوں گا۔"(۸۲)

درج بالا مفاہمتی یادداشت اسلامی ریاستوں کے مابین تعلقات اور بڑی ریاستوں کے اشاروں پر ایک دوسرے سے دست برداری پر شدید ضربیں لگاتا ہے۔کیا محمد ﷺ کے پیروکار(اسلامی ریاستوں کے سربراہ اپنے ہی بھائیوں سے بغیر ٹھوس وجوہات کے(قرآن وسنت کی خلاف ورزی) غیروں کے کہنے پر الگ ہو سکتے ہیں؟ یہ ایک بڑا المیہ ہے۔

ان تاریخ ساز مفاہمتوں کی اہمیت پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر محمد صدیق قریشی لکھتے ہیں:

بیعت ہائے عقبہ بیک وقت مذہبی مواثیق بھی ہیں اور سیاسی معاہدات بھی' انہوں نے اسلام کی عظمت کی نیو رکھی۔ان دونوں میں آنحضرت ﷺ کی متانت' بے نظیر توکل اور پُر وقار طرزِ عمل پوری طرح درخشاں ہے.....بیعتِ عقبہ ثانی حضور ﷺ کی سیاستِ خارجہ کا سنگِ بنیاد ثابت ہوئی' اس نے یثرب کو مسلمانوں کا مرکز قرار دے کر ایک اجتماعی نظم کی بنیاد ڈالی' سیاسی تعمیر کا آغاز معاہدہ کے ذریعہ ہوا نہ کہ جنگی قوت کا استعمال کر کے۔اب سے یثرب کی شہرت کو چار چاند لگنا شروع ہو گئے'لیکن سب کچھ اس وقت ہوا جب اہلِ یثرب نے اسلامی تعلیمات کے اساسی مقاصد کو تسلیم کر لیا۔
یہ اساسی مقاصد روئے زمین کی وحدت کے شیرازہ اور قیامِ امن دونوں کے لیے جزو لاینفک ہیں۔"(۸۳)

ہجرت مدینہ:

مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ کو مختلف مسائل سے نبرد آزما ہونا تھا' جن میں چند درج ذیل بڑے مسائل تھے:
اپنے اور مقامی باشندوں کے حقوق وفرائض کا تعین کرنا۔ مہاجرین کے تو طن کا بندوبست کرنا۔ مدینہ کے غیر مسلم خصوصاً یہودیوں سے سمجھوتا کرنا۔ مدینہ کی سیاسی تنظیم اور فوجی مدافعت کا اہتمام کرنا۔ قریش سے مہاجرین کو پہنچے ہوئے جانی و مالی نقصانات کا ازالہ۔

مفاہمت بین انصار ومہاجرین:

مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آمد کے ساتھ ہی دو بظاہر مختلف معاشروں کے اختلاط کا مسئلہ درپیش ہوا' ایک بے سروسامان تھا جبکہ دوسرا خوشحال و دولت مند' مہاجر تجارت پیشہ تھے اور انصار زراعت پیشہ' ان کے درمیان معاملات دنیا کے ساتھ ساتھ ذہنی وفکری ہم آہنگی قائم کرنا' آپ ﷺ کے لیے ایک بہت بڑا مرحلہ تھا' مگر آپ ﷺ نے اس کو اتنی خوش اسلوبی سے حل کیا کہ اہل یثرب وعرب ہی نہیں پوری انسانی تاریخ انگشت بدنداں رہ گئی۔ مہاجرین کی تعداد ۴۵ تھی' آپ ﷺ نے ان کے درمیان قرآن کے مطابق ''مواخاۃ'' کا عظیم رشتہ قائم کیا'' ''ایک مہاجر ایک انصار بھائی بھائی بن گئے۔ یہ رشتہ بالکل حقیقی رشتہ بن گیا' حتی کہ جائیداد میں بھی ایک دوسرے کے شریک بن گئے۔ (بعد میں قرآن کے فرمان کے مطابق جائیداد میں شرکت کو منسوخ کر دیا گیا)
اس کی بنیاد دراصل رسول اللہ ﷺ نے قرآن کے اس فرمان کے مطابق رکھی:

''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں مال وجان سے جہاد کیا اور وہ لوگ' جنہوں نے ان لوگوں کو پناہ دی اور ان کی مدد کی یہ لوگ باہم بھائی بھائی ہیں۔'' (۸۴)

مواخاۃ کے اس عظیم الشان عملی تصویر کے متعلق مولانا حامد انصاری لکھتے ہیں:

جب مدینہ میں مہاجرین وانصار جمع ہو گئے تو پہلی مرتبہ امت کی حقیقی تصویر تیار ہو گئی۔ قرآن میں پہلے صرف انسانوں کو خطاب کیا گیا تھا' اب اس میں ایماندار انسانوں (مومنوں) کی اجتماعی ہیئت سے بھی خطاب شروع ہو گیا ''انما المومنون اخوہ'' (مسلمان بھائی بھائی ہیں)'' یہ وہ قانون تھا جو اسلامی معاشرہ کی روح پر چھا گیا۔ انسانیت کو پہلی مرتبہ حکمت عملی کے میدان میں اس قانون کا تجربہ ہوا جو تجربوں کی دنیا میں فاتح بن کر نمودار ہوا۔'' (۸۵)

مفاہمتِ مدینہ:

حکمت ودانش کا تقاضا تھا کہ آپ ﷺ اسلام اور فرزندانِ اسلام کی نظریاتی وجغرافیائی سرحدوں کا تحفظ یقینی بنائیں' تاکہ توحید ورسالت اپنے اصل مقصد ''الملک للہ 'الحکم للہ ''کی حقیقی تفسیر بن جائے' اور اللہ کا دین ہر قلب ودہر تک پہنچ سکے۔ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے ایک عالمگیر مفاہمتی دستاویز تیار کی' جس میں مدینہ کی حدود

میں رہنے والے تمام مذاہب کے پیروکاروں کو شامل کیا گیا۔اس مفاہمت کو ''میثاقِ مدینہ'' کے نام سے شہرت حاصل ہے۔اس مفاہمت کی عمارت درج ذیل بنیادوں پر قائم ہوئی:

قبل از اسلام روایات جو اسلام سے متصادم نہ تھیں' کو برقرار رکھا گیا۔ہر مذہب کے پیروکاروں کو ان کے مذہبی قوانین کے مطابق فیصلے کرنے کا اختیار دیا گیا۔

نیکی اور انصاف کا بھرپور دفاع' اور مقروض کے قرض ادا کرنے میں ان کی مدد کا فیصلہ ہوا۔سرکش' دوسروں کا استحصال کرنے والے اور فساد پھیلانے والے کے خلاف مشترکہ جدوجہد کرنے پر اتفاق کیا گیا۔ایمانداروں کے مقابلے میں کافروں کی مدد نہیں کی جائے گی اور ایک مسلمان کی طرف سے دی گئی پناہ سب کی پناہ تصور کی جائے گی۔یہودیوں کے ساتھ بھی امداد و مساوات کا برتاؤ ہوگا بشرطیکہ وہ مومنوں کا اتباع کرے۔ایمان والوں کی صلح و جنگ ایک ہوگی۔قریشِ مکہ کے خلاف مشترکہ جدوجہد ہوگی اور کوئی بھی ان کو پناہ نہیں دے گا۔اختلاف مابین کا فیصلہ آپ ﷺ فرمائیں گے۔یہود اور مومن ایک سیاسی وحدت تسلیم کیے جائیں گے' اور یکساں حقوق کے مستحق ہوں گے۔آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر کوئی جنگ نہیں کرے گا۔حلیف کی غلطی کی ذمہ داری دوسرے حلیف پر نہیں ہوگی۔اس نوشتے کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس پر اللہ نے بھی اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔قریش کو ہرگز پناہ نہیں دی جائے گی۔یثرب پر حملہ کی صورت میں مشترکہ جدوجہد کے ذریعے مقابلہ کیا جائے گا۔اسی طرح صلح بھی مشترکہ ہوگی۔اوس کو بھی برابر کے حقوق حاصل ہوں گے۔اللہ اور اس کے رسول اس شخص کے حامی ہیں جو عہد و اقرار میں وفا شعار اور پرہیز گار ہو۔۔

مفاہمت مدینہ سے چار بنیادی نکات سامنے آتے ہیں:

الف: تمام دستاویزات اور تحریریں بسم اللہ سے شروع کی جائیں اس لیے کہ ریاست کا حاکم اللہ ہی ہے۔ب: ریاست کا قانون قرآن و سنت اور اس کا سربراہ محمد ﷺ ہے۔ج: تمام شہریوں کو قانونی مساوات' مذہبی آزادی' شہری حقوق اور معاشی تحفظ حاصل ہوگا۔د: ریاست کا دفاع تمام شہریوں پر لازم ہوگا اور کسی نوع کا فتنہ و فساد برداشت نہیں کیا جائے گا۔(۸۶)

''یہ دستاویز نہ صرف اپنے زمانے میں اہمیت کی حامل تھی بلکہ اس نے آنے والے تمام حکمرانوں کے لیے بھی رہنما اصول مہیا کیے' کہ وہ غیر مسلم رعایا کے ساتھ کس طرح سلوک کریں۔یہ انسانیت کا اولین دستور ہے' بعد کے تمام دستاویزات و منشور بشمول اقوام متحدہ کے منشور اسی کا چربہ ہیں''۔(۸۷)

مفاہمتِ حدیبیہ:

مکہ سے ہجرت کے چھ برس بعد انفس وارض مکہ کے دیدار اور عمرہ کی ادائیگی کی غرض سے ۱۴۰۰ اصحاب کے

ہمراہ آپ ﷺ عمرہ کا ارادہ کرتے ہیں۔اس غرض سے کہ اہل مکہ کو جنگ کا شک نہ گزرے آپ ﷺ اور اصحاب نے مدینہ ہی سے احرام باندھ لیے، تلواریں نیاموں میں رکھیں اور قربانی کے جانور لے کر روانہ ہوئے۔دین ابراہیمی کے مطابق کسی کو عمرے سے نہیں روکا جاسکتا تھا اور حرم میں ہر قسم کی خونریزی حرام تھی۔مکہ کے قریب پہنچ کر آپ ﷺ نے صورتحال جاننے کے لیے ایک خزاعی کو مکے بھیجا۔قریش کو پہلے ہی خبر ہو چکی تھی اور وہ جنگ کی تیاری کر رہے تھے۔تمام قبائل کو جمع کر کے وہ یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ آپ ﷺ اور اصحاب کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔۲۰۰ سواروں کا دستہ مسلمانوں کو روکنے کے لیے روانہ کیا گیا، آپ ﷺ نے رستہ بدل کر حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال دیا۔آپ ﷺ نے اصحاب کرامؓ سے مشاورت کی، انہوں نے ضرورت کی حالت میں جنگ کا مشورہ دیا مگر آپ ﷺ نے حرام مہینوں میں جنگ نہ کرنے کا اعادہ کیا اور مفاہمت کو ترجیح دی۔

آپ ﷺ کو خبر ہوئی کہ قریش آپ ﷺ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔آپ ﷺ نے یہ سنا تو بڑی حسرت سے فرمایا:

قریش کو کیا ہو گیا ہے؟ آپس کی لڑائی اور جنگ جوئی ان کو کھا گئی ہے پھر بھی اس سے باز نہیں آتے، کیا ہی بہتر ہوتا کہ یہ مجھ کو اور تمام عرب کو معاملہ کرنے کے لیے چھوڑ دیتے اور درمیان سے اپنا دخل نکال دیتے۔''(۸۸) اور انسانی احساس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ ﷺ، ثنیۃ المراء پہنچ کر قریش کے ارادوں کا حال معلوم کرنے کے بعد یہی فرمایا ''آج قریش صلہ رحمی کے جو حقوق طلب کریں گے وہ میں ان کو ضرور دوں گا۔''(۸۹)

قریش کے ارادوں کو ہر لحاظ سے پرکھنے کے بعد آپ ﷺ نے ان کو خبر بھیجی کہ ہم عمرے کی نیت سے آئے ہیں اور مفاہمت کی طرف آؤ! وگرنہ اس وقت تک لڑوں گا جب تک سر گردن سے الگ نہ ہو جائے یا اللہ خود ہی کوئی فیصلہ کر لے۔قریش نے عروہ بن مسعود کو بات چیت کے لیے بھیجا مگر اتفاق نہ ہو سکا۔آپ ﷺ نے حراس بن امیہ کو قریش سے بات چیت کے لیے بھیجا؛ قریش نے ان کے اونٹ کو قتل کیا اور ان کو بھی قتل کرنا چاہتے تھے مگر ان کے قبیلے کے لوگوں نے ان کو بچا لیا۔اس کے بعد قریش نے ایک دستہ آپ ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا مگر اس کو گرفتار کر لیا گیا۔یہ قریش کے لیے بہت بڑا دھچکا تھا مگر آپ ﷺ نے ان کو معاف کر کے واپس بھیج دیا۔قرآن نے اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

''اور وہی اللہ ہے جس نے مکہ میں ان لوگوں کا ہاتھ تم سے اور تمہارا ہاتھ ان سے روکا بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا۔''(۹۰)

اس کے باوجود آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو قریش کے پاس مذاکرات کے لیے بھیجا۔قریش نے آپؓ کو نظر بند کر لیا اور آپؓ کے قتل کی افواہ پھیل گئی۔آپؓ کے قتل کی یہ خبر انتہائی المناک اور روح فرسا تھی،

آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کو فرض قرار دیا اور ببول کے درخت کے نیچے جمع ہو کر اصحابؓ سے بیعت لی کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کا بدلہ لیا جائے گا۔ ان سب اصحابؓ نے حضرت عثمانؓ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے جان کی بازی لگانے کی بیعت دی' آپ ﷺ نے دائیں ہاتھ کو اپنا اور بائیں کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر بیعت دی' قرآن نے اس بیعت کو ان الفاظ میں بیان کیا:

''اللہ مسلمانوں سے راضی تھا جب کہ وہ تیرے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ سو اللہ نے جان لیا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا تو اللہ نے ان پر تسلی نازل فرمائی اور عاجلانہ فتح دی۔''(۹۱)

بیعت کے بعد حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر غلط ثابت ہوئی مگر اس بیعت نے قریش کو مفاہمت پر مجبور کر دیا۔ قریش نے سہیل بن عمرو کو مذاکرات کے لیے بھیجا' طویل بحث مباحثہ کے بعد مفاہمت ہو گئی' اس معاہدے کی شرائط پر حضرت عمرؓ اور بعض اصحابؓ نے ناراضگی کا اظہار کیا مگر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا حکم ہے' میں اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔'' حضرت علیؓ معاہدہ تحریر کر رہے تھے' آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق بسم اللہ الرحمان الرحیم لکھا تو اس پر سہیل نے کہا ہم رحمان کو نہیں مانتے بلکہ لکھو ''باسمک اللھم (اے اللہ تیرے نام سے) آپ ﷺ نے علیؓ کو ایسا ہی کرنے کا حکم دیا۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ کہ لکھو یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی۔ سہیل پھر معترض ہوا اور کہنے لگا کہ ہم محمد کو رسول اللہ سمجھتے تو پھر جنگ کی نوبت ہی کیوں آتی؟ آپ ﷺ نے علیؓ کو ایسا کرنے کا حکم دیا لیکن انہوں نے اجتناب کیا۔ اس پر محسنِ انسانیت ﷺ نے خود اس صلحنامہ کو لے کر لفظ رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھ دیا۔ اس مفاہمت کے نکات مندرجہ ذیل تھے:

۱۔ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔ ۲۔ اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔ ۳۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں' صرف تلوار ساتھ لائیں' وہ بھی نیام میں اور نیام بھی جلبان (تھیلا' وغیرہ) میں۔ ۴۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکے۔ ۵۔ کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے گا' لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں جائے تو واپس نہیں کیا جائے گا۔ ۶۔ قبائلِ عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدے میں شریک ہو جائیں۔ (۹۲) ۷۔ فریقین میں ۱۰ سال تک جنگ نہیں ہوگی' اس اثنا میں لوگ امن کی زندگی بسر کریں گے۔ ۸۔ قربانی کے جو جانور مسلمانوں کے پاس ہیں ان کو حدیبیہ ہی میں ذبح کر دیا جائے۔ ۹۔ دلوں کی عداوتیں دلوں ہی میں رہیں گی' ان کو ظاہر نہیں کیا جائے گا۔ ۱۰۔ مسلمانوں اور قریش کے حقوق برابر ہوں گے۔ محمد ﷺ کے ساتھیوں میں جو شخص حج' عمرہ یا تجارت کے لیے مکہ آئے گا تو وہ قریش کی امان میں ہوگا اور قریش کا کوئی فرد مصر یا شام بغرض تجارت جاتے ہوئے مدینہ سے گزرے تو اس کی جان و املاک کو تحفظ حاصل ہوگا۔ (۹۳)

معاہدے کی شرائط یک طرفہ تھیں اور اس پر عمل درامد قرین انصاف نہ تھا مگر آپ ﷺ نے پھر بھی قبول کیا۔

''ابھی معاہدہ تحریر ہو رہا تھا کہ سہیل بن عمرو کا بیٹا ابوجندلؓ جو پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے اور مکہ میں انتہائی مشکلات پر مبنی زندگی گزار رہے تھے' آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کو دیکھ کر سہیل نے کہا معاہدے پر پابندی کا پہلا موقع ہے!۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی معاہدہ نہیں لکھا گیا؟ ابوجندلؓ کو ہمارے پاس رہنے دیا جائے! سہیل نے معاہدہ ختم کرنے کی دھمکی دی۔ آپ ﷺ نے ابوجندلؓ کو حوالے کر دیا۔ یہ لمحہ سب کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ مگر آپ ﷺ نے ابوجندلؓ کو صبر کی تلقین کی۔ آپ ﷺ نے قربانی کے اونٹ وہی ذبح کیے' بال ترشوائے اور احرام کھولا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مفاہمت کو فتح مبین کا نام دیا۔ ''ہم نے تجھ کو کھلی فتح عطا کی۔'' (۹۴)

اس معاہدے کے متعلق مولانا حامد انصاری لکھتے ہیں:

''بیرونی تعلقات کے قیام کا اس سے بہتر نمونہ ملنا دشوار ہے۔ دنیا کا کوئی سیاسی دماغ ایسی حالت میں اس قسم کی شرائط منظور نہیں کر سکتا جبکہ اس کے ساتھ ایک جانباز فوج بھی ہو' لیکن آپ ﷺ نے اسلام کے مطمع نظر کی تکمیل کے لیے اس معاہدہ کی پوری پوری پابندی کی۔'' (۹۵)

یقیناً بعد کے واقعات نے اس معاہدے کو فتح مبین ثابت کر دیا' کیونکہ صلح سے پہلے مسلمان اور کافر کی میل جول ختم ہوگئی تھی اس کے بعد آمد و رفت شروع ہوگئی' خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے قریش مدینہ آتے اور مسلمانوں سے ان کی ملاقات ہوتی۔ ہر مسلمان حسن اخلاق و کردار' نیکی اور پاکیزہ سیرت کا عملی مجسمہ ہوتا' اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اور اسلام انتہائی تیزی سے پھیلنے لگا۔ مکہ والے مدینہ نہیں جا سکتے تھے اور بظاہر مکہ میں اسلام کا دروازہ بند دکھائی دے رہا تھا مگر اس کا نتیجہ الٹ نکلا' حضرت ابوبصیرؓ مکہ سے بھاگ کر مدینہ آئے' قریش نے دو آدمی ان کو واپس لانے کے لیے بھیج دیے' آپ ﷺ نے حسب معاہدہ ان کو واپس کر دیا۔ واپسی پر راستے میں ابوبصیرؓ نے ان میں سے ایک کو قتل کر دیا' اور دوسرا بھاگ کر مدینہ آ گیا۔ ابوبصیر بھی چپکے چپکے ان کے پیچھے آ گئے اور آپ ﷺ سے کہا آپ ﷺ نے مجھے واپس کر دیا تھا' اب آپ ﷺ کی ذمہ داری ختم ہوگئی۔ وہاں سے نکل کر اس نے سمندر کے قریب تجارتی شاہراہ پر سکونت اختیار کی۔ حضرت ابوجندلؓ کو پتہ چلا تو وہ بھی آپؓ سے آ ملے' رفتہ رفتہ مسلمانوں کی کافی تعداد بن جاتی ہے اور وہ انتقاماً قریش کے قافلوں کو لوٹنے لگتے ہیں۔ قریش کی تجارت خطرے سے دوچار ہوگئی اور وہ خود ہی اس شرط سے باز آ گئے اور آپ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ جو کوئی مدینہ میں رہنا چاہے' رہ سکتا ہے۔ علاوہ ازیں یہودیوں سے مسلمانوں کا معاہدہ منسوخ ہو چکا تھا' اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ:

''آپ ﷺ کی حکمتِ عملی نے قریشی اور صیہونی محور کو پاش پاش کر دیا۔ یہ سیاستکاری کا شہکار تھا' قریش کا چڑھتا ہوا جوش اور بخار اس صلح کے سیفٹی ثالث (Safety valve) سے خارج ہوگیا۔ عین اس لمحے خیبر کے

یہودیوں اور مکے کے قریشوں میں اتحاد ہو کر ایک نئے طاقتور محاصرہ مدینہ کی جو تجویز تیار ہو چکی تھی، وہ روک دی گئی۔ کیونکہ قریش نے اپنی منہ مانگی شرطوں کے ملنے اور تجارت کا شمالی راستہ کھلوانے پر وعدہ کیا تھا کہ وہ دس سال تک آنحضرت ﷺ سے نہ تو جنگ کریں گے اور نہ ہی کسی کو کوئی خفیہ یا اعلانیہ مدد دیں گے۔ بلکہ مسلمانوں کی جنگوں میں کامل ناطرفدار رہیں گے۔ اسی صلح سے آنحضرت ﷺ کو یہ فائدہ ہوا کہ خارجہ سیاست کے لیے ہاتھ کھل گئے۔ خطرے کے مرکز خیبر کو مہینے بھر میں ہمیشہ کے لیے دفن مٹا دیا گیا۔'' (۹۶) اس معاہدے کے بعد قریش کے دو نامور جرنیل خالد اور عمرو بن العاص نے اسلام قبول کیا۔ تین برسوں میں ہی پورا جزیرہ نمائے عرب سرنگوں ہو گیا اور پندرہ برس میں اسلامی ریاست تین براعظموں پر پھیل گئی۔'' (۹۷)

مولانا حامد انصاری اس کے متعلق لکھتے ہیں:

''حدیث و تاریخ اس پر متفق ہے کہ حدیبیہ کا یہی وہ صلح نامہ ہے جس نے فضا کو بدل دیا، عرب کے لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ اسلام انسانیت اور امن کا پیغام ہے اور مسلمان اس راہ میں اس حد تک صادق ہیں کہ انہوں نے وحشیانہ تشدد کے باوجود قیام امن کی کوششوں کو ترک نہیں کیا۔ انہوں نے جانیں گنوا دیں مگر اس یقین کا دامن نہیں چھوڑا جس کا مقصد و منشا تمام دنیا کو اپنے حلقہ اثر میں لینا تھا۔'' (۹۸)

آپ ﷺ نے مفاہمت حدیبیہ سے قبل اور مابعد جتنے معاہدے کیے ان میں آپ کی حکمت عملی درج ذیل رہی:

انسانی جان و مال کا ہر قیمت پر تحفظ یقینی بنایا جائے۔ مدینہ اور اس کی ہمسایہ ریاستیں قریش کے حملوں، عمل دخل سے محفوظ رہ سکیں۔ قریش کے تجارتی رستوں کو مسدود کیا جائے تاکہ وہ طاقت پکڑ کر مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ ظالم کو امن عامہ خراب کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ خشک سالی وغیرہ سے انسانوں اور جانوروں کو بچایا جا سکے، علاوہ ازیں تمام مذاہب (اہل کتاب) کی عبادت گاہوں اور پیروکاروں کی مذہبی آزادی متاثر نہ ہو۔ اس سلسلے میں سینٹ کیتھرائن سے کیا گیا معاہدہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ 9/11 کے بعد دنیا کے حالات نے جو کروٹ لی ہے، اس کا ذکر بہت ضروری ہے:

جو قلیل و کثیر اشیا (منقولہ و غیر منقولہ) ان کے گرجاؤں، نمازوں اور رہبانیت کی ان کے تحت ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کے ہمسایہ ہیں، وہ سب انہیں عیسائیوں کی رہیں گی۔ (یعنی باوجود اسلام نہ لانے کے ان سے کچھ نہ لیا جائے گا) نہ کسی پادری کو اس کے منصب سے بدلا جائے گا، نہ کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے، نہ کسی کاہن کو اس کی کہانت سے، نہ ان کے حقوق میں کوئی تغیر کیا جائے گا اور نہ ان کی سلطنت میں یا اس چیز میں جس پر وہ تھے۔ جب تک وہ خیر خواہی کریں گے اور جو حقوق ان پر واجب ہیں ان کی اصلاح کریں گے، تو نہ ان پر ظلم کا بار پڑے گا اور نہ وہ خود ظلم کریں گے۔'' (۹۹)

(جاری ہے)